© rasailojaraid.com

نقشِ ممات

''اس عنوان کے تحت رئیس کلیہ معارف اسلامیہ پروفیسر ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری مدظلہٗ نے عالم عرب اور اسلام کی کئی اہم شخصیات کی علمی، دینی، تصنیفی، تدریسی اور اصلاحی خدمات کا احاطہ کیا ہے، اور یہ بھی بتایا ہے کہ ان شخصیات سے نوری صاحب کہاں اور کس موقع پر شرفِ ملاقات سے باریاب ہوئے؟ نیز ڈاکٹر نوری نے ان شخصیات کے افکار ونظریات سے قارئین مجلّہ کو بھرپور طور پر مستفید ہونے کا موقع بھی فراہم کیا ہے۔ اس وقت شمارہ میں ۴ شخصیات کا تذکرہ پیش خدمت ہے۔

(ادارۃ المجلّۃ)

۱) الشیخ محمد الغزالیؒ المصری

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب میں ۱۹۷۸ء میں بغداد سے دولۃ الکویت پہنچا تھا اور اس وقت وزارۃ اوقاف کے ڈائریکٹر جنرل الشیخ عبداللہ العقیلؒ نے مندوبین کے اعزاز میں اپنی رہائش گاہ پر ایک عشائیہ دیا تھا، اس میں عالمِ اسلام کے کئی اہل علم و دانش جن میں بنگلا دیش کے پروفیسر غلام اعظمؒ، سعودی عرب کے ڈاکٹر ابوسلیمان عبدالحمید، قطر سے یوسف القرضاوی اور مصر کے عظیم مفکر الشیخ محمد الغزالی مرحوم بھی موجود تھے۔ آپ سے ''ابو محمد الشیخ عبداللہ العقیل'' نے میرا تعارف کراتے ہوئے یہ ذکر کر دیا کہ میں پاکستان سے تعلق رکھتا ہوں اور میں ابھی ابھی یونیورسٹی آف بغداد سے فارغ التحصیل ہو کر الازھر یونیورسٹی قاہرہ میں داخلے کیلئے عزم و ارادہ رکھتا ہوں۔ حضرت الشیخ الغزالی نے اپنے مخصوص انداز میں مرحبا والحمدللہ کہتے ہوئے شیخ الازھر پروفیسر ڈاکٹر محمد عبدالحلیم محمود کے نام ایک خصوصی خط لکھکر دیا۔ جبکہ راقم کویت ہی کے ایک اور شیخ سیدنا یوسف ھاشم الرفاعی سے بھی ایک خط حاصل کر چکا تھا حضرت الشیخ الغزالی نے تقریباً 25 (جنیہ مصری) یعنی مصری پاؤنڈ بطور تحفہ بھی عطا کئے، جو ابھی تک میرے پاس محفوظ ہیں۔ پھر آپ سے دوسری ملاقات ۱۹۷۹ء میں جامعہ اسلامیہ محمد بن سعود ریاض میں، منعقدہ ''یوم محمد بن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عبدالوھاب الحنبلی انٹرنیشنل کانفرنس'' میں ہوئی تھی اور مجھے قاہرہ سے اس کانفرنس میں بحیثیت مندوب شرکت کیلئے الندوۃ العالمیہ للشباب الاسلامی کے توسط سے یہ دعوت نامہ ملا تھا۔ آپ سے تیسری ملاقات ۱۹۸۴ء میں علماء مشائخ کانفرنس بغداد میں ہوئی ان تینوں ملاقاتوں میں حضرت الشیخ سے بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا۔ اور آپ نے ہر ملاقات میں اسلام اور پاکستان اور پاکستانی عوام کیلئے خیر سگالی کے انتہائی جذبات کا اظہار فرمایا۔

۱۰/اپریل ۱۹۹۶ء کے اوائل عشرہ میں کئی اخبارات جن میں مصری اخبار'' الاھرام، المجلۃ جدہ، الشرق الاوسط، لندن، المجتمع الکویئت/ مکۃ المکرّمۃ/ الریاض، سعودی عرب، اور البعث الاسلامی لکھنؤ میں یہ خبر چھپی کہ عالم اسلام کے عظیم مفکر دانشور، فقیہ، ادیب، سیرت نگار اور مبلغ اسلام الشیخ محمد الغزالی سعودی عرب میں دل کا دورہ پڑنے سے انتقال کر گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون o

دیگر احباب کی طرح مجھے بھی بہت دکھ ہوا۔ اور گذشتہ ملاقات کے سارے مناظر ایک ایک کر کے سامنے آتے گئے جو حضرت الشیخ کے ساتھ چند لمحات میسر آئے تھے۔ خبر کے مطابق آپ ریاض میں ایک علمی محفل مذاکرہ میں اسلام اور مغربی دنیا کے موضوع پر خطاب فرما رہے تھے کہ دل کے دورہ نے آلیا اور آپ زمین پر گر گئے۔ آپ کو فوری طور پر اسپتال لے جایا گیا مگر زندگی کا سرا ہاتھ سے چھوٹ چکا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ شیخ محمد الغزالی اگرچہ جسمانی لحاظ سے ہم سے بچھڑ گئے مگر اپنے بے شمار علمی اعمال، اور عظیم تصانیف و تالیف کی بدولت آج بھی زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے اور قیامت تک قافلہ حق کیلئے روشنی بکھیرتے رہیں گے۔

الاھرام کے مطابق آپ کی عمر ۷۹ سال کی ہوگئی تھی، لیکن ہر اعتبار سے صحیح و تندرست و توانا نظر آرہے تھے آپ مصر کے ایک ضلع ''البحیرہ'' میں ۲۲ ستمبر ۱۹۱۷ء کو پیدا ہوئے۔ اور خاندانی روایات کے مطابق اپنے گاؤں کے حافظ صاحب کے پاس قرآن مجید حفظ کیا۔ ابتدائی تعلیم بھی وہیں حاصل کی۔ اور اسکندریہ کے معھد علمی سے ثانوی تعلیم مکمل کرنے کے بعد جامعہ ازھر میں داخل ہوگئے اور ۱۹۴۳ء میں جامعہ ازھر سے ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔

قدرت نے آپ کو بلا کا حافظہ اور ذکاوت سے نوازا تھا۔ قدیم و جدید جملہ علوم پر دسترس حاصل تھی۔ مجلّہ البعث الاسلامی لکھنؤ کے مطابق شیخ محمد الغزالی امام حسن البناء مرحوم کے ابتدائی ساتھیوں میں سے تھے۔ اور اخوان کیلئے اسکندریہ اور اس کے نواح میں بہت کام کر چکے تھے آپ ایک مدرس کے ساتھ ساتھ بہت اچھے مقرر اور خطیب بھی تھے۔ ان کے خطبوں میں شعلہ بیانی سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زیادہ دلائل کا زور اور جذبۂ ایمانی کو حکمت کے ساتھ اپیل کرنیکا انداز پایا جاتا تھا۔ ان کی تقاریر کے اخوان تحریک کو شہروں اور دیہاتوں میں خوب خوب تقویت ملی۔ کردار کے اعتبار سے شیخ الغزالی منفرد رہے اور ہمیشہ مناصب سے دور رہے، اور ایک عام کارکن کی حیثیت سے کام کرنے کو ہی ترجیح دیتے تھے۔ واضح رہے کہ حسن البناء کے بعد اخوان کی قیادت کا بوجھ الشیخ حسن الھضیبی کے کندھوں پر ڈالا گیا اور انہوں نے بھی اس پُر آشوب دور میں سخت ابتلاء و امتحان کے باوجود قیادت کا حق ادا کر دیا۔ پیرانہ سالی اور صحت کی کمزوری کے باوجود سزائے موت اور پھر عمر قید کی سزاؤں کو جس خندہ پیشانی، صبر و تحمل، اور منصفانہ جرأت و فراست کے ساتھ ادا کیا، تاریخ کا ایک درخشاں باب ہے۔ اس دور میں کئی لوگ اخوانی تحریک سے الگ ہوگئے۔ بعض تو خاموشی سے بیٹھ گئے۔ اور بعض جمال عبدالناصر کی پالیسیوں کے نتیجے میں اخوان تحریک سے باغی ہوگئے۔ لیکن شیخ محمد الغزالی نے نہ اخوان سے علیحدگی اختیار کی اور نہ ہی ناصری حکومت کے آلۂ کار بنے، اور نہ ہی تحریک کا راستہ ترک کیا۔ ان کا اپنا ایک مخصوص مزاج اور طریق دعوت تھا۔ وہ اعتدال، نرم روی اور تصادم سے اجتناب کے داعی تھے۔

اخوان کے تیسرے مُرشدِ عام سید عمر تلمسانیؒ اور چوتھے مُرشدِ عام محمد حامد ابوالنصرؒ جن سے میں ۱۹۷۸ء میں قاہرہ میں ملا تھا اور انہوں نے اپنی دو تصانیف بنام "وادی نیل کا قافلہ سخت جاں" اور "یادوں کی امانت" عطاء کیئے اخوانی تحریک خاتون لیڈر زینب غزالی سے بھی ملاقات ہوئی جنھوں نے اپنی کتاب "حیاتی" عنایت کی تھی۔

سید عمر تلمسانی جو دراصل جزائر کے رہنے والے تھے بیان کرتے ہیں کہ الشیخ محمد غزالی نے ہر موضوع پر قلم اٹھایا۔ اور اس کا حق ادا کیا۔ ان کی تحریروں میں پختہ خیالی، ندرت، گہری علمیت، اور اعلیٰ تحقیق کی صفات پائی جاتی ہیں۔ ان کی بعض آراء سے بعض علماء نے اختلاف تو کیا ہے، مگر ان کے علمی رتبے اور دلائل کی صلابت کا انکار ممکن نہیں ہو سکا ہے، ان کی تصانیف کی تعداد سو سے تجاوز ہے۔ جبکہ ہزاروں مقالے اور بے شمار لیکچر ان کے علمی ترکے میں شامل ہیں۔

انہوں نے تفسیر وحدیث، سیرت و تاریخ پر بھی لکھا اور دورِ حاضر کے فتنوں کا بھی بھرپور تعاقب کیا شیخ نے دورِ جدید میں خواتین کے مسائل اور مغربی پروپگنڈے اور عورتوں کے حقوق کے حوالے سے اسلام دشمنوں کی سازشوں پر بہت کچھ لکھا، وہ وسیع المشرب عالمِ دین مدرس خطیب اور محقق تھے۔ اسلام کے بنیادی اصولوں کو ملحوظ رکھ کر جس قدر انسانی حقوق کی آزادیاں، قرآن وسنت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے دی ہیں۔ان کا بھرپور پرچار کیا کرتے تھے۔ان کا پسندیدہ ترین موضوع دعوت الہیہ اور داعی تھا،ایک ایک موضوع پران کی کئی کتب شائع ہو چکی ہیں۔شیخ محمد الغزالی مصر اور بیرون مصر اس قدر معروف تھے کہ ان کے لیکچر منبر ومحراب کے خطاب سننے کیلئے ہزاروں افراد حاضر ہوتے تھے،متحدہ عرب امارات سے شائع ہونے والے ہفت روزہ ''الاصلاح'' نے شیخ کی وفات کے بعد ان پر ایک مضمون لکھا جس میں یہ بیان کیا گیا کہ بعض اوقات ان کے پیچھے مساجد میں ڈھائی لاکھ کی تعداد میں لوگوں نے جمعہ کی نماز پڑھی ہے۔شیخ کا اندازِ خطاب بہت سادہ مگر روحانی اور ربّانی رنگ سے مالا مال ہوتا تھا۔

شیخ محمد الغزالی طبعی اعتبار سے نرم دل،عفو ودرگذر کرنے والے لڑائی جھگڑے سے دور رہتے تھے۔ایک مرتبہ حکومتِ مصر نے'' میثاق الوطنی المصری'' جاری کیا جس میں سیکولر سیاست اور اشترا کی معیشت کو مسائل کا حل بنایا گیا تھا۔شیخ نے اس کے خلاف زوردار صدائے احتجاج بلند کی۔

شیخ موصوف نے مصر میں جامعہ ازھر اور وزارت اوقاف میں بھی خدمات انجام دیں۔ اور مصر سے باہر مختلف عرب ممالک میں تعلیمی اداروں میں استاد کے طور پر بھی مصروفِ عمل رہے۔ مگر جب انہیں مصر میں وزارت کی پیشکش کی گئی تو انہوں نے معذرت کر لی، مکۃ المکرّمہ کی ام القریٰ یونیورسٹی میں برسوں لیکچرار رہے۔ اور دیگر جامعات کے بورڈ آف ڈائریکٹرز یا مجلسِ مشاورت میں بطور ممبر کام کرتے رہے تھے۔

قطر کے شریعت کالج جواب جامعہ قطر(یونیورسٹی آف قطر) کے نام سے معروف ہے حضرت شیخ نے اس کے قیام اور اس کی ترقی میں بنیادی کردار ادا کیا تھا آپ تقریباً سات سال تک الجزائر میں مقیم رہے۔اور وہاں کی معروف یونیورسٹی جامعہ امیر عبدالقادر میں تدریسی فرائض انجام دیئے۔

اگر آج الجزائر میں اسلامی بیداری کی جو لہر نظر آ رہی ہے اس میں بلا شبہ الشیخ الغزالی کا اہم کردار ہے۔وہ کئی سالوں تک الجزائرٹی وی پر بھی ہفتہ وار پروگرام درسِ قرآن دیتے رہے تھے۔ الغزالی بہت ہی رقیق القلب انسان تھے۔اللہ کی رحمت کا تذکرہ کرتے ہوئے یا کسی سے سنتے ہوئے آبدیدہ ہو جاتے تھے۔

آپ کے زبان پر امام شافعی علیہ الرحمۃ کا مشہور شعر جاری رہتا تھا جس کو وہ بار بار دہراتے رہے تھے اس کا اردو ترجمہ یہ ہے کہ:

یارب'' میرے گناہوں کا انبار بہت بڑا ہے۔مگر اے میرے رب تو ہی غفور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الرحیم ہے، میں نے اس انبار کا تیرے عفو درگذر سے موازنہ کیا تو وہ اس سے کہیں عظیم تر نظر آیا"

شیخ الغزالی مرحوم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت وعقیدت تھی۔آپ نے سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بنام "فقہ السیرۃ" کتاب جب لکھنے کا آغاز فرمایا تو تالیف کے دوران آپ مسلسل باوضو رہے، اور لکھتے ہوئے اکثر اشکبار آنکھوں کو رومال سے خشک کرتے رہے۔ ان کی دلی آرزو تھی کہ ان کو بھی مدینہ منورہ میں آخری آرام گاہ نصیب ہو جائے۔ بالآخر سیرۃ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر تصنیف نے توسل کا کردار ادا کیا اور آپ کیلئے مسافرت ہی میں عین خطاب کے دوران بلاوا آ گیا، مرحوم کا جسدِ خاکی آپ کی خواہش کے مطابق ریاض سے مدینہ منورہ منتقل کیا گیا، اور جنت البقیع میں امام دارالھجرۃ حضرت امام مالک کی قبر کے بالکل ہی قریب ان کو بھی مٹی نصیب ہوگئی۔ (طیب اللہ ثراہُ)

۲) علامہ الشیخ الدکتور عبدالفتاح ابوغدہ (شامی) المتوفی ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۷ء:

آپ سے راقم الحروف (۱) کو المعہد العالی للدعوۃ الاسلامیہ الریاض میں علم فقہ واصول فقہ پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔آپ عصر حاضر کے ان چند گنے چنے علماء واسکالرز میں سے ایک تھے جو اپنے دل میں امت مرحومہ کے احیاء کی تڑپ اور مسلم نوجوانوں کی صحیح خطوط پر اسلامی تربیت کا جذبہ رکھتے تھے۔آپ عالم اسلام میں چلنے والی بحالی غلبہ اسلام کی تحریکوں کے روح رواں اور اسلامی بیداری کے لئے کام کرنے والی تنظیموں کے مربی و پشتیبان تھے۔ بلاشبہ آپ ایک ایسے عالم تھے جنہیں قدیم وجدید علوم پر یکساں دسترس حاصل تھی۔آپ بلا کے خطیب اور شعلہ بیاں مقرر، ایک بے بدل اتالیق، بے مثل مدرس، قابل مثال استاذ، لائق احترام عالم، قابل رشک اسکالر اور اسلامی دنیا کے مایہ ناز مفکر تھے۔ جو ۹ شوال ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۷ء کو ریاض سعودی عرب میں انتقال فرما گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون٥

آپ سوریہ (شام) کے شمالی علاقہ حلب میں ۱۹۱۷ء میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد ایک ممتاز سنی صوفی بزرگ تھے اور ذکر وتلاوت میں مشغول رہنے والے تاجر تھے ان کا کاروبار، کپڑے کی تجارت تھا اور یہ ان کا آبائی سلسلہ روزگار تھا۔ ان کے دادا حاجی بشیر حلب کے مشہور

---

۱) پروفیسر ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تاجران پارچہ میں سے ایک تھے۔ وہ نہ صرف کپڑا فروخت کرتے بلکہ ان کے ہاں پارچہ بانی بھی ہوتی تھی جو قدیم طرز کے مطابق تھی۔ ان کا سلسلہ نسب حضرت خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک جا پہنچتا ہے، ان کے خاندان میں اب بھی تحریر شدہ شجرہ نسب محفوظ ہے (۱)

شیخ ابو غدہ نے اعلیٰ تعلیم کے لئے جامعہ الازہر کا رخ کیا جہاں آپ نے کلیہ الشریعہ (شریعت فیکلٹی) میں داخلہ لیا (۲) اور ۱۹۴۴ء۔۱۹۴۸ء کے عرصہ میں زیر تعلیم رہ کر سند فراغ حاصل کی۔ ازاں بعد آپ نے تخصص کے لئے جامعہ ازھر کے کلیہ لغہ عربیہ کے شعبہ اصول التدریس میں داخلہ لیا اور ۱۹۵۰ء میں فراغت پائی۔

شیخ ابو غدہ کے اساتذہ:

آپ کے اساتذہ میں الشیخ راغب الطباخ، الشیخ احمد الزرقاء، الشیخ احمد الکروی، الشیخ مصطفیٰ الزرقاء، الشیخ عبدالحلیم محمود، الشیخ محمود علتوت، الشیخ محمد زاہد الکوثری اور الشیخ حسن بنا جیسے معروف علماء و اساتذہ شامل تھے۔

جامعہ الازہر سے فراغت کے بعد شیخ ابو غدہ سوریہ واپس آ گئے اور یہاں ۱۹۵۱ء میں وزارت تعلیم کے زیرِ نگرانی قائم اسکولوں میں اسلامیات کے استاذ مقرر ہوئے، آپ نے ۱۱ برس حلب کے مختلف اسکولوں میں تدریسی خدمات انجام دیں، علاوہ ازیں کئی مدارس میں مختلف اوقات میں تدریس کا سلسلہ جاری رکھا تا آنکہ کلیہ الشریعہ (جامعہ دمشق) میں لیکچرر مقرر ہوئے۔ تین سال اس یونیورسٹی میں فقہ اور اصول فقہ کے استاذ رہے، فقہ حنفی آپ کا خاص موضوع تھا، اسی دوران آپ کی خدمات ایک اسلامی انسائیکلوپیڈیا کی ترتیب و تدوین کے لئے حاصل کر لی گئیں۔

۱۹۶۲ء کے انتخابات میں حلب کے علاقہ سے آپ ممبر پارلیمنٹ منتخب ہوئے۔ جہاں آپ نے اسلامی مسائل پر کھل کر بحث و مباحثہ میں حصہ لیا اور ہمیشہ اسلامی افکار کو سر بلند رکھنے کی کوشش کی ۱۹۶۶ء میں آپ کو بعض دیگر اہلِ علم کے ساتھ پابند سلاسل کر دیا گیا۔ ۱۱ ماہ کی قید صحرائی کے بعد آپ اور آپ کے دیگر ساتھیوں کو رہا کیا گیا۔ مگر آپ پر دباؤ اس قدر تھا کہ آپ ترکِ وطن پر مجبور کئے گئے اور آپ نے سعودی عرب کی جامعہ امام محمد بن سعود (ریاض) سے تدریسی خدمات کا معاہدہ کر لیا چنانچہ آخر دم تک اس جامعہ سے منسلک رہ کر علمی خدمات کا سلسلہ جاری رکھا الشیخ ابو غدہ

۱) ملاحظہ ہو: ایک تفصیلی انٹرویو، ترجمہ ڈاکٹر نور احمد شہتاز راستاد شیخ زائد اسلامک سینٹر، جامعہ کراچی۔

۲) اس درسگاہ میں ازھری علماء سے راقم کو بھی پڑھنے کا اتفاق ہو چکا ہے۔ (نوری)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا انتقال بھی ریاض ہی میں ہوا۔ اور جنت البقیع (مدینہ منورہ) میں تدفین عمل میں آئی۔ آپ نے تالیف و تحقیق کے میدان میں بہت جلد شہرت پائی ۸۰ برس کی عمر تک ستر سے زائد تصنیفات و تالیفات آپ کے قلم کا منہ بولتا شاہکار ہیں۔ آپ کی چند قابل ذکر تالیفات اس طرح ہیں۔

ا۔ تحقیقات:

الشیخ ابوغدہ نے متعدد علمی کتابوں پر تحقیق کی ہے اور اپنے گرانقدر تحقیقی کام قدیم کتابوں کو نہ صرف قابل فہم اور سہل بنایا ہے بلکہ ان پر حواشی و تشریحات بھی لکھی ہیں۔ ان کی تحقیق کردہ کتابوں میں حسب ذیل خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

۱) شیخ عبدالحئی لکھنوی کی کتاب/ الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل
۲) شیخ عبدالحئی لکھنوی کی کتاب/ الاجوبہ الفاضلہ للاسئلہ العشرہ الکاملہ
۳) شیخ عبدالحئی لکھنوی کی کتاب/ تحفۃ الاخبار باحیاء سنۃ سیدالابرار
۴) شیخ عبدالحئی لکھنوی کی کتاب/ تحفۃ الانظار علی تحفۃ الاخبار
۵) شیخ عبدالحئی لکھنوی کی کتاب/ ظفر الامانی فی شرح مختصر المعانی
۶) شیخ عبدالحئی لکھنوی کی کتاب/ سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر
۷) شیخ عبدالحئی لکھنوی کی کتاب/ اقامۃ الحجۃ علی ان الاکثار من التعبد لیس بدعۃ
۸) ابن قیم الجوزیہ کی کتاب/ المنار المنیف فی الصحیح والضعیف
۹) ملا علی قاری کی کتاب/ المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع
۱۰) ملا علی قاری کی کتاب/ فتح باب العنایہ شرح کتاب النقایہ (فقہ حنفی)
۱۱) علامہ تاج الدین السبکی کی کتاب/ قاعدہ فی الجرح والتعدیل۔
۱۲) علامہ سخاوی کی کتاب/ المتکلمون فی الرجال
۱۳) علامہ حافظ الذہبی کی کتاب/ ذکر من یعتمد قولہ فی الجرح والتعدیل
۱۴) علامہ حافظ الذہبی کی کتاب/ الموقظہ فی علم مصطلح الحدیث
۱۵) ابن الحنبلی کی کتاب/ قفو الاثر فی صفو علم الاثر
۱۶) حافظ الزبیدی کی کتاب/ بلغۃ الاریب فی علم مصطلح آثار الحبیب
۱۷) الحافظ الندری عن اسلہ فی الجرح والتعدیل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۸) الشیخ طاہر الجزائری کی/توجیہ النظر الی اصول الاثر
۱۹) غنیمی کی کتاب/کشف الالتباس عما اوردہ الامام البخاری علی بعض الناس
۲۰) الشیخ النعمانی کی کتاب/ مکانۃ الامام ابی حنیفہ فی الحدیث۔
۲۱) علامہ الجزائری کی کتاب/ التبیان بعض المباحث المتعلقہ القرآن
۲۲) علامہ احمد شاکر کی کتاب/ کی فہارس اوران کی بعض کتابوں کی تصحیح
۲۳) علامہ میدانی کی کتاب/تحفۃ النساک فی فضل السواک
۲۴) علامہ ابوزید قیروانی کی کتاب/ العقیدہ الاسلامیہ
۲۵) شیخ ابن تیمیہ کی کتاب/ الحلال والحرام وبعض قواعدھما فی المعاملات المالیہ
۲۶) الامام القرانی کی کتاب/ الاحکام فی تمیز الفتاویٰ عن الاحکام
۲۷) امام حارث المحاسبی کی کتاب/ رسالۃ المستر شدین
۲۸) احمد زکی پاشا کی کتاب/ الترقیم وعلاماتہ
۲۹) ابوالفتح علامہ البستی کی کتاب/عنوان الحکم
۳۰) ابن تیمیہ کا رسالہ/ رسالۃ الالفہ بین المسلمین
۳۱) ابن حزم ظاہری کا رسالہ/ فی الامامہ
۳۲) حافظ الخزرجی کی کتاب/ خلاصہ تہذیب اتصال فی اسماء الرجال

اس کے علاوہ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کا اپنا ذاتی علمی، تحریری سرمایہ جو شائع ہو چکا ہے حسب ذیل ہے۔

۱) صفحات من صبر العلماء علی شدائد العلم والتحصیل
۲) العلماء العزاب/الذین اثروا العلم علی الزواج
۳) قیمۃ الزمن عند العلماء
۴) الرسول المعلم واسالیب فی التعلیم
۵) لمحات من تاریخ السنۃ وعلوم الحدیث
۶) امراء المومنین فی الحدیث
۷) الاسناد من الدین
۸) صفحۃ مشرقۃ من تاریخ سماع الحدیث عند المحدثین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۹) تحقیق اسمی الصحیحین واسم جامع الترمذی

۱۰) منہج السلف فی السؤال عن العلم وفی تعلم مایقع ومالم یقع۔

۱۱) من ادب الاسلام

۱۲) نماذج من رسائل آئمۃ السلف وادبھم العلمی

۱۳) کلمات فی کشف اباطیل وافتراءات

۱۴) مسئلۃ خلق القرآن واثرھا فی صفوف الرواۃ والمحدثین وکتب الجرح والتعدیل

علامہ کو چونکہ مختلف جامعات میں پڑھنے اور پڑھانے کا طویل تجربہ تھا اس لئے آپ جامعات کے نشیب وفراز سے خوب آگاہ تھے، اور جامعات کے نصاب اور دیگر امور کی اصلاح کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتے تھے ان کے دل میں ایک تڑپ تھی کہ ہماری جامعات ویسے ہی اسکالرز پیدا کریں جیسے ہمارے اسلاف تھے (۱)

☆ جامعات میں طویل تدریسی تجربہ کے بعد، اسلامی دنیا کی یونیورسٹیوں کے بارے میں آپ کی ایک عمومی رائے کیا ہے؟

☆ آج کی یونیورسٹیاں بھلائی اور خیر کی معاون یا کانیں ہیں ان میں تعداد ماشاء اللہ بہت زیادہ ہے اور ان پر توجہ بھی بہت زیادہ دی جارہی ہے ان میں تعداد اور کمیت میں تو کوئی کمی نہیں تاہم مقصدیت اور کیفیت میں بہت کمی ہے۔ اگرچہ اس کثرت تعداد سے بھی خیر کثیر آتا ہے۔ اب ہر طالب علم تو علم کا عاشق اور شائق نہیں ہوتا۔ اگر تمام طلبہ اسی طرح بلند سوچ کے مالک ہوتے تو آج لوگوں کو کثیر علماء کی صورت میں خیر کثیر مل رہا ہوتا۔ مگر آج علماء کی قلت دیکھ کر صورتِ حال واضح طور پر کھل کر سامنے آگئی ہے۔

☆ ایک متمدن یونیورسٹی کے طور پر کیا کوئی یونیورسٹی آج اپنا رول ادا کررہی ہے؟

☆ تیس چالیس برس سے تو اس معیار کی کوئی جامعہ بھی نہیں سوائے جامعہ الازہر کے۔ آج تو یونیورسٹی نام ہے "باب ملازمت" کا کہ اس دروازے سے ملازمتیں مل جاتی ہیں اور یہی سوچ اور فکر جامعات میں غالب ہے جبکہ اس فکر سے آزاد بہت کم ادارے ہیں۔

☆ کیا آپ کے ذہن میں جامعہ ازہر کی تجدید Modification کی کوئی تجویز ہے؟

☆ بیس سال سے جامعہ الازہر ایک جدید اور Modified یونیورسٹی ہے، تجدید کا معنی

۱) از مقالہ ڈاکٹر نور احمد شہتاز رشیخ زید اسلامک سینٹر، جامعہ کراچی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگر الازہر کو اپنی اصلیت سے ہٹا دینا ہے تو یہ اس کی توہین و تحقیر ہے۔

☆ مگر ہمیں مسلم انجینئرز، مسلم ڈاکٹرز بھی تو چاہئیں؟

☆ ٹھیک ہے! مگر اس صورت میں کہ وہ اس کے ساتھ ساتھ مسلم فقیہ بھی ہوں کیا ہم اس کو بالکل نظر انداز کر دیں اور کوئی فقیہ، فقیہ بن کر نہ نکلے؟ اور نہ انجینئر فقیہ بن سکے؟ ایک انجینئر اور ڈاکٹر کو اس طرح انجینئر اور ڈاکٹر بنایئے کہ وہ ایک فقیہ قسم کا طبیب ہو، اور ایک مسلم انجینئر ہو۔ مگر وہ اپنی جگہ ایک مستقل حیثیت سے جامع فقیہ بن کر بھی نکلے۔

ساتویں صدی ہجری کے مشہور اطباء میں سے ایک طبیب اپنے وقت کے فقیہ بھی تھے انہوں نے شافعی فقہاء کی کتابوں کی شروح لکھی ہیں اور یہ بھی ایک فقیہ ہی تھے جنھوں نے "دورسان خون دریافت کیا" یعنی ابن النفیس۔ یہ نہ صرف ایک فقیہ تھے بلکہ لغت کے ماہر ایک اچھے ڈاکٹر اور ادیب بھی تھے۔ پرانے زمانے میں لوگ اسی طرح ہوا کرتے تھے۔ ان کے ہاں ایک سے زائد علوم وفنون میں مہارت ہوتی تھی پرانے زمانے میں علم طب شرعی علوم کے ساتھ ساتھ پڑھائی جاتی تھی بلکہ ہندوستان میں اب بھی ایسا ہی ہے کہ اصول فقہ، فقہ، نحو عربی اور تاریخ کے ساتھ ساتھ طب بھی شامل نصاب ہے۔ یہ طب اگرچہ آجکل کی طب (ایلو پیتھک) نہیں بلکہ قدیم یونانی طب ہے جس میں مریض کا علاج جڑی بوٹیوں سے کیا جاتا ہے۔ ہندوستان میں فقہ اب بھی عروج پر ہے اور ہندی فقیہ تو ہر دور میں معروف رہا ہے اور ہمارے ہاں ضرب المثل کے طور پر مشہور ہے۔ چنانچہ وہاں طلبہ کو اس طب یونانی سے ضرور مس ہوتا ہے یہ ٹھیک ہے کہ وہ کامل طور پر طبیب نہیں ہوتے مگر طب جانتے ضرور ہیں۔

قدیم زمانے میں لوگ مورخ و ادیب ہونے کے ساتھ ساتھ محدث، فقیہ، ماہر لغت، بہترین نقاد اور علم فصاحت و بلاغت کے ماہر ہوا کرتے تھے۔ علوم کا ایک آپس میں ایسا ربط و تعلق ہے کہ جس کی بناء پر انہیں ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اب یہ علوم کا آپس کا تعلق بعض کا قریب کا ہے تو بعض کا دور کا۔

جغرافیاء کا حدیث سے ایک تعلق ہے مگر ایسا نہیں جیسا فقہ کا حدیث کے ساتھ، فقہ کا نمبر حدیث کے بعد آتا ہے، پھر لغت، پھر بلاغہ اور پھر جغرافیا۔ چنانچہ جب جغرافیائی امور کی کوئی بات ہوگی تو محدث ضرور اسے بیان کرے گا۔ چنانچہ نقاد حدیث قسم کے محدثین کے پاس علم جغرافیا بھی تھا جیسے امام نووی، قاضی عیاض، اور حافظ ابن حجر وغیرہ اور اس سے پہلے کے مشائخ و علماء۔ اور جغرافیا کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علم ہونا اس لئے بھی ایک محدث کے لئے ضروری ہے کہ مختلف علاقوں میں الفاظ کا مختلف استعمال اسے معلوم ہو۔ کیونکہ کبھی محض لفظ کے کیس مخصوص معنی میں استعمال ہونے کی بناء پر حکم میں تبدیلی واقع ہو جاتی ہے۔

اگر ہم تخصیص یا Specialization کی بات کریں تو پتہ چلتا ہے کہ علمائے امت میں تخصص سے زیادہ جامعیت پائی جاتی تھی۔ کیا آج کی جامعات سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ یہاں سے بھی جامع قسم کے عالم پیدا ہوں؟

آجکل جامعات میں علم کا صرف چل چلاؤ ہے پختگی نہیں اور جامعات سے فارغ التحصیل ہونے والوں کی اکثریت کا عالم یہ ہے کہ جب انہیں ڈگری مل جاتی ہے تو وہ سمجھتے ہیں ہم نے میدان مار لیا اور گوہر مقصود کو پا لیا جو کہ ملازمت کا پروانہ ہے اور جیسے ہی اس ڈگری کی بناء پر ملازمت مل جاتی ہے تو وہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے منزل پالی ہے۔ چنانچہ ایسا طالب علم اسی روز جب اسے ملازمت مل جاتی ہے کتاب مکتبہ اور علم سے کہہ دیتا ہے "ھذا فراق بيني وبينك" (یعنی اب سے میرا تیرا تعلق ختم)۔

☆ اس مشکل کا حل کیا ہے؟

اول تو اب ایسے اساتذہ نہیں جو علم اور انتقال علم سے عشق کی حد تک محبت رکھنے والے ہوں اور جب ایسے اساتذہ کے ساتھ طلبہ کا تعلق ہوگا جو علم سے باغی ہیں تو طلبہ کا حال بھی پھر ویسا ہی ہوگا اور جب اس طرح کے اساتذہ ہوں گے کہ جن کا دھیان پڑھاتے ہوئے بھی گھنٹی کی آواز کی طرف ہوگا اور وہ پیریڈ ختم ہونے کے منتظر ہوں گے ان کے طلبہ کا حال تو پھر ان سے بھی پتلا ہوگا۔

عمدہ ذہانت ہو تو بعض اساتذہ طلبہ میں اور بعض طلبہ اساتذہ میں نکھار پیدا کر دیتے ہیں اور واقعتاً! بعض طلبہ ایسے ہوتے ہیں کہ جو اساتذہ کو حیران کر دیتے ہیں اور استاذ ان کی ذہانت وفطانت اور نکتہ فہمی سے خوش ہوتا ہے یہ دلی توجہ اور میلان کی بناء پر ہوتا ہے۔ ورنہ تو سمجھ بوجھ ہر ایک میں کچھ نہ کچھ ہوتی ہے۔

☆ تو کیا آپ کے خیال میں جامع العلوم قسم کے علماء ہی پیدا کرنا ضروری ہیں اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو پھر اس سلسلہ کو بند کر دیا جائے یہاں تک کہ طالب علم کو ایسے اساتذہ میسر آئیں جو اسے اس قابل بنا سکیں یا آپ کے پاس اس کے لئے کوئی تربیت طلبہ کا واضح پروگرام ہے جس پر قوم کے جوانوں کی تربیت کی جا سکے؟

☆ اساتذہ کے ذہن میں ایسا پروگرام ہونا چاہئے جس پر وہ اپنے طلبہ کی ایسی تربیت کر سکیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ اس قسم کے طلبہ تیار ہو کر نکلیں جیسے ہم چاہتے ہیں۔

اب دیکھیے ڈاکٹریٹ کرانے میں اصل پلاننگ کیا ہے کہ اس سے متخصص specialist پیدا ہوں گے مگر افسوس یہ ہے کہ اس کورس کی بدولت متخصصین کی بجائے ملازمین کی کھیپ تیار ہو رہی ہے۔ آپ اگر غور فرمائیں تو محسوس کریں گے کہ ایک طالب علم جس نے پی ایچ ڈی کیا ہے جب جامعہ میں داخلہ لیتا ہے تو وہ ایک بڑی ہی متواضع سی شخصیت لے کر آتا ہے مگر جب اسے ڈگری مل جاتی ہے تو وہ ایک متکبر ڈاکٹر بن کر نکلتا ہے۔ یہ بات ہم ہر ایک کے بارے میں نہیں کہہ رہے، بہت سے لوگ واقعی علم کے اعتبار سے عبقری شخصیت کے مالک ہیں، مگر سواد اعظم کا حال پتلا ہے۔ اب لوگوں میں ذہنی پستی و سستی کا یہ عالم ہے کہ ان کے نزدیک علم کا معیار ''رزق'' ہے جس علم یا ڈگری سے رزق کی فراوانی ہوتی ہو وہ اصل ہے اور باقی سب بے کار اب یہ پوچھا جاتا ہے کہ اس ڈگری کا اسکوپ کیا ہے؟ یعنی اس سے گھر کی ضروریات کس حد تک پوری ہو سکیں گی۔ چنانچہ اب گھر کی ضروریات ولوازمات اصل ٹھہریں اور علم ثانوی چیز، گویا کوئی شخص اس لئے علم حاصل کرتا ہے کہ وہ اس سے خوش اسلوبی سے اپنی ضروریات ولوازمات پوری کر سکے اور وہ اپنی زندگی خوشحالی سے گزارنے کا خواہش مند ہے۔ گویا پہلے زندگی کا مقصد علم حاصل کرنا تھا اور اب علم کا مقصد کامیاب وخوشحال زندگی گزارنا ہے۔

☆ کیا جامعیت کے انداز میں کچھ منفی پہلو بھی ہیں؟

☆ جی ہاں! جامع ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ہر چیز میں لازماً مہارت تامہ رکھتا ہو اور ہر معاملہ میں دخل اندازی کرے جیسے کہ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ جو کچھ جانتے ہیں اس میں بھی اور جو نہیں جانتے اس میں بھی رائے زنی ضرور کرتے ہیں۔ خاص طور پر جب کوئی بڑھاپے کو پہنچتا ہے تو لوگ اس سے اس کی بزرگی کی بناء پر مختلف سوالات پوچھتے رہتے ہیں جیسے مثلاً کوئی طب کے بارے میں پوچھتا ہے تو کوئی سیاست اور تجارت کے بارے میں اب وہ شیخ جی ہر سوال کا جواب دیتے ہیں۔ حالانکہ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ان کی بزرگی کا تقاضا یہ ہے کہ وہ جس چیز کے بارے میں نہ جانتے ہوں صاف کہہ دیں کہ بھئی مجھے اس کا علم نہیں مگر وہ ہر بات کا جواب دیتے ہیں۔ صحیح ہو یا غلط اور لوگ انہیں ہر چیز سے باخبر اور ہر علم پر قادر خیال کرتے ہیں۔

چنانچہ جامعیت ہو یا تخصص ہر صورت میں ایک عالم کو جو اسلوب اپنانا چاہئے وہ یہ ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ جو مسئلہ نہ جانتا ہو اس میں رائے زنی نہ کرے بلکہ کہہ دے کہ " مجھے نہیں معلوم" اور اس میں اس کی بڑائی ہے کہ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ وہی مسئلہ بتاتا ہے جس کا اسے مکمل علم ہوتا ہے اس طرح اس کا کسی مسئلہ میں یہ کہنا کہ "نہیں معلوم" دیگر مسائل جس کا اس نے جواب دیا ہے ان پر سائل کے اعتقاد کو پختہ کرتا ہے کہ اسے ان سوالات کے صحیح جوابات معلوم تھے جبھی تو جواب دیئے ورنہ وہاں بھی کہہ سکتا تھا "نہیں معلوم"۔ مگر کیا کیا جائے کہ بہت سے لوگ لا اعلم (نہیں جانتا) کہ الفاظ سے مانوس نہیں اور ایسا کہنا اپنی کسر شان سمجھتے ہیں کہ اس سے ان کا وقار کم ہوگا۔ حالانکہ اس سے نہ وقار کم ہوتا ہے اور نہ شان میں کمی آتی ہے۔

☆ کیا آپ کے خیال میں اب عالم اسلام میں علم کے لئے ہونے والی کوششیں خاصی کمزور نہیں ہو گئیں؟

☆ عالم اسلامی میں اس وقت جو عمومی کیفیت ہے وہ نمونے یا مثال کے فقدان کی وجہ سے ہے اب عالم اسلامی میں کمزور، مضبوط، غنی، فقیر ہر طرح کے علماء ہیں مگر وہ اک مثالی نمونہ جو ہونا چاہئے وہ مفقود ہے پرانے زمانے کا عالم ایک "نمونہ" تھا اور اس کے پاس اٹھنے بیٹھنے والا، اس سے میل جول رکھنے والا اور اس کی مجلس میں آنے جانے والا اس کے رنگ میں رنگ جاتا تھا اس کے دل میں اس عالم کی محبت جم جاتی تھی اس کے احترام کا چراغ روشن ہو جاتا تھا، اس کی شخصیت کا ایک رعب بیٹھ جاتا تھا۔ اس کے لئے دل میں ایک جگہ پیدا ہو جاتی تھی مگر جب سے ایسے باکردار علماء نہیں رہے تب سے لوگوں کا حال بھی خراب ہے۔

☆ کیا ایسے مثالی اور قابل تقلید علماء کے فقدان میں موجودہ دور کے عالم اسلام کے حکمران طبقہ کا بھی دخل ہے؟

☆ بہت بڑا دخل ہے کیونکہ حکام و امراء لوگوں کے دلوں میں اپنا رعب جمانا چاہتے ہیں اور خود کو قابل تقلید مثال و نمونہ بنا کر پیش کرنا چاہتے ہیں اور کسی اور کو قابل تقلید نہیں سمجھتے، نہ کسی کو قابل تقلید بنتا دیکھ سکتے ہیں۔ چنانچہ ایسی تمام شخصیات کو جن کے گرد اگر لوگ جمع ہو رہے ہوں اور جن کو اپنا مقتداء و پیشوا بنا رہے ہوں، حکمران انہیں یا تو جلاوطن ہونے پر مجبور کرتے ہیں یا قید و بند میں ڈال دیتے ہیں اور ایسی مثالوں سے تاریخ بھری پڑی ہے کہ بہت سے اہل علم کو قوات حاکمہ یا اقتدار کی طرف سے اس قدر پریشان کیا گیا کہ وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملک چھوڑنے اور ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے یا انہیں ملک بدر کر دیا گیا یا کسی بہانے انہیں گرفتار یا قتل کر دیا گیا۔

☆ ان حالات میں اور عالم اسلام کی بیداری کے تناظر میں علماء و حکام کے تعلقات کے حوالہ سے کیا امید ہو سکتی ہے؟

☆ حاکم اگر خیر خواہ ہے اور بھلائی کا طلب گار ہے اور اپنے اقتدار کے سانچے کو کامیابی سے چلانا چاہتا ہے تو اسے علماء کی قدر دانی کرنی چاہئے اس سے اس کی قدر و منزلت میں اضافہ ہوگا کیونکہ کسی حاکم کے ہاں اچھے علماء کا ہونا خود اس کی عزت کا باعث ہے لیکن اگر حاکم ایسا ہو کہ وہ کسی اور کی عزت و وقار کو پسند ہی نہ کرے اور خود ستائی و خود نمائی کا رسیا ہو کہ کسی دوسرے کی قدر و منزلت اسے ایک آنکھ نہ بھاتی ہو تو ظاہر ہے وہ علماء کو کیونکر پسند کرے گا کیونکہ لوگ بادشاہوں کی تعظیم کرتے ہیں ان کی قوت و اقتدار کے باعث اور ان کے ظالمانہ احکامات کے خوف سے، جبکہ علماء کی قدر لوگ کرتے ہیں ان سے ملنے والی محبت، شفقت اور دلوں میں جگہ پا جانے والی قوت روحانی کی بناء پر۔ چنانچہ محبت و جبر میں جیسے فرق ہے ایسے ہی عالم اور حاکم میں ہے۔ عالم کو جو کسی کے دل پر غلبہ حاصل ہے تو وہ محبت کی بناء پر ہے اور حاکم کو خوف کی بناء پر۔ قدیم حکام میں سے نورالدین زنگی کی مثال دی جا سکتی ہے کہ جس کی مجلس میں علماء کو ایک خاص مقام حاصل تھا۔ اس کی مجلس میں روزآنہ حدیث کا درس ہوتا۔ جب اس نے انگریزوں سے دمیاط کا علاقہ خالی کرایا تو اس کی مجلس میں عمر بن بدر الموصلی رحمتہ اللہ علیہ موجود تھے جو اس کے دوستوں میں سے تھے اور درس حدیث میں وہ حدیث بیان ہو رہی تھی جو حدیث تبسم کے نام سے مسلسل و مشہور چلی آتی ہے۔ جب شیخ عمر بن بدر نے حدیث بیان کر کے فرمایا کہ جس کسی نے بھی یہ حدیث سنی تبسم فرمایا کیونکہ اس پر حضور نے تبسم فرمایا تھا اور پھر نورالدین سے کہا آپ بھی مسکرائیے، تاکہ حدیث پر تبسم کا سلسلہ برقرار رہے نورالدین نے کہا کیسے مسکراؤں جبکہ دمیاط کا علاقہ انگریزوں کے حصار میں ہے یعنی ملک پر تو انگریزوں کی یلغار ہے ایسے پریشانی کے عالم میں مسکراہٹ کہاں سے آئے؟ اس واقعہ کے ۱۸ روز بعد جب اللہ تعالیٰ نے نورالدین کو صلیبیوں پر فتح بخشی اور دمیاط کا علاقہ ان سے مسلمانوں نے حاصل کر لیا تو نورالدین نے علامہ عمر بن بدر سے کہا آج وہ حدیث تبسم سنائیے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آج اس حدیث کے بیان کئے جانے کا موقع محل ہے۔

کیا اچھے علماء تھے اور کیا ہی اچھے ان کے قدردان صالح حکام، اور وہی حاکم اچھے ہیں جن کے ہاں علماء کی قدردانی ہے ہاں وہ علماء جو امراء وسلاطین کی رکاب میں رہتے ہیں اور ان امراء وسلاطین کو امر بالمعروف ونہی المنکر کا کوئی حکم تک نہیں کہہ سکتے انہیں اس سے مستثنیٰ کرتا ہوں۔ ہم صرف ان علماء کی بات کر رہے ہیں جو صالح ہیں اور حکام کو بھی صلاح کی صلاح دیتے رہتے ہیں اور وہی حکام صالح ہیں جو صالح علماء کے قدردان ہوں۔

☆ کیا کبھی تاریخ میں ایسا زمانہ بھی گزرا ہے جب علماء نے حکام کی موافقت کی ہو؟

☆ صلیبی جنگوں میں نور الدین اور صلاح الدین ایوبی نے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے اور انگریزوں کے خلاف جس جرات وشجاعت سے جہاد کیا اس کی اپنی ایک حیثیت ہے مگر وہیں ان کے ہاں ایک قاضی بھی تھے اور اس دوران ساری خط وکتابت انہی قاضی فاضل کے ذریعہ ہوتی تھی۔ بلکہ لوگ کہتے ہیں کہ صلیبی جنگیں جیتنے میں قاضی فاضل کے خطوط کا دخل زیادہ ہے اور ان قاضی صاحب کے مشوروں نے ان جنگوں میں سپاہ اور فوج سے زیادہ کام کیا۔ ایک عالم جب متقی ہو، روشن دماغ ہو، صاحب بصیرت ہو، فلاح وصلاح کا کامل ادراک رکھتا ہو تو اس کی سوچ نورانی سوچ ہوگی۔ پھر اس کی علمی پختگی واجتہاد سے جو فائدہ حاصل ہوگا وہ خیر ہی خیر بلکہ سراپائے خیر ہوگا۔ چنانچہ قدیم علماء، امت کے سردار ہیں اور وہی قائد بھی مگر جب بعد کے ادوار میں علم اٹھ گیا، قیادت غیر عالم لوگوں کے ہاتھ میں آگئی تو لوگ کمزور ہوگئے، قیادت کمزور ہوگئی علماء کمزور پڑ گئے اور علمی قیادت کے جاتے رہنے کے ساتھ ہی لوگوں کو غیر علمی قیادت سے نفرت ہونے لگی کہ اس نے علم کو صاف کر کے اپنے لئے راہ ہموار کی۔

☆ آج کے دور میں علماء وحکام میں کس قسم کا تعلق ضروری ہے۔ کیا آج کی جمہوریت جس میں حاکم ومحکوم کو اپنے اپنے حقوق حاصل اور فرائض کا علم ہے مناسب ہے؟

☆ لفظ جمہوریت کے پیچھے کئی چیزیں پوشیدہ ہیں۔ بعض اجنبی الفاظ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے پیچھے خفیہ معانی موجود ہوتے ہیں۔ اگر کوئی لفظ عربی کا ہو تو ہم جان لیتے ہیں کہ اس کے معنی کیا ہیں اور اس میں معنی کی تنگی ووسعت کہاں تک ہے مگر جو لفظ عربی کا نہ ہو اور باہر سے (Imported) در آیا ہو تو معلوم نہیں اس کے کیا کچھ ہوگا۔ ممکن ہے اس لفظ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں اللہ کی ذات پر عدم اعتماد کے معانی بھی پائے جاتے ہوں۔ جیسے کہنے کو تو اس لفظ جمہوریت کے معنی ہیں عوام کی حکومت، عوام کی مرضی کے مطابق۔ مگر اس طرح کے الفاظ سے غیر اسلامی مفاہیم بھی نکلتے ہیں۔ لہٰذا اس طرح کے الفاظ کو قبول کرنے سے اجتناب ہونا چاہئے کیونکہ دوسروں کے نزدیک تو اقتدار عوام کا ہوسکتا ہے مگر ہمارے ہاں تو اس سے اللہ تعالیٰ کے اقتدار کی نفی ہوتی ہے۔ اب اگر ہم بھی مادیت پرستی کے طوفان کا شکار ہوکر یا جہالت کی بناء پر لفظ جمہوریت کو اپنالیں تو اس سے ہمارے عقیدہ کی نفی ہوتی ہے کہ اسلام میں تو حاکمیت اعلیٰ، اللہ تعالیٰ کے لئے ہے نہ کہ جمہور و عوام کا حق، "ان الحکم الاللہ" اس طرح جمہوریت کا تصور تو کیشلزم اور کمیونزم کی طرح ہوگا۔ اس طرح کے الفاظ اپنے جلو میں غیر اسلامی معنی رکھتے ہیں اب اگر ہم کسی کو جمہوری قرار دیں تو اس کے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ جو جمہور کی حکمرانی پر یقین رکھتا ہو۔ مگر اسلامی تناظر میں اس کے یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ جو خدا کی حکمرانی کا منکر ہو، اس طرح کے الفاظ کو فروغ دینے سے نسل مسلم کے دل میں اللہ کے مقابلے میں عوام کی حکمرانی کا تصور جگہ لے گا جو بہر حال مضر ہے لہٰذا ہمیں اس طرح کے الفاظ کو اپنانے سے گریز کرنا چاہئے۔

☆ مگر یہ بھی تو ہے کہ ان الفاظ کے جو معانی دنیا میں رائج ہیں ان میں وہ اصلیت نہ ہو؟

☆ یہ بات ممکن ہے مگر یہ بھی تو ہوتا ہے کہ کبھی عرف میں جو معنی مشہور ہوتے ہیں انہیں اسی صورت میں سمجھنے اور سمجھانے کے لئے تنبیہ اور تشریح و توضیح کی ضرورت ہوتی ہے ورنہ لوگ اس سے مراد کچھ اور لینے لگتے ہیں۔ تو ایسا کیوں نہ ہو کہ ان الفاظ کو ترک ہی کردیا جائے جن سے کوئی شبہات پیدا ہوتے ہوں اور ان کی بجائے ایسے الفاظ استعمال کئے جائیں جن میں کوئی شبہ نہ ہو۔

☆ موجودہ دور میں دستوری اداروں میں حکمرانوں کے ساتھ علماء کی شمولیت کی کیا حیثیت ہوگی اور علماء کو اس سلسلہ میں کیا کرنا چاہئے؟

☆ اس کا دارومدار حاکم پر ہے اگر وہ عقل مند، دیانت دار، عوام کی حقیقی خدمت کے جذبہ سے سرشار اور ملک و ملت کا وفادار ہے تو وہ اللہ کی رضا کے کام کرنے کی خاطر علماء وصالحین کو اپنے قریب کرے گا اور ان سے مستفید ہونے کی کوشش کرے گا۔ یہ ان کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قدر کرے گا وہ اس کی قدر کریں گے۔ اس وقت ان کی مثال ایسی ہوگی جیسے بحری جہاز کے عملے کی، وہ سب ایک دوسرے کے دست وبازو ہوتے ہیں اور جہاز کامیابی سے چلتا رہتا ہے۔ یا اس ہوائی جہاز کے عملے کی طرح ان کی مثال ہوگی جس کا کیبن کریو اور گراؤنڈ اسٹاف سب ایک دوسرے سے تعاون کرتے اور کامیاب پرواز چلاتے ہیں۔

اس طرح حاکم وعلماء کا بھی معاملہ ہے کہ وہ ایسے علماء کو ساتھ رکھے گا جو ذمہ داری سنبھالنے کے قابل ہوں اور قوم و مذہب کی خدمت کے جذبہ سے سرشار ہوں اور وہ حاکم خود بھی اپنے آپ کو قوم کا خادم تصور کرتا ہو نہ کہ زبردستی ان پر مسلط ہو، تو اس طرح ایک نہایت معتدل صورت سامنے آئے گی ایسی صورت میں علماء کو حکام سے تعاون کرنا چاہئے کیونکہ اقتدار کسی شخص واحد کا نہیں ہوتا بلکہ حاکم کو تمام شعبوں کے ماہرین کی ضرورت ہوتی ہے جیسے انجینئر، ڈاکٹر، شاعر، صحافی، الیکٹرک کے ماہر، لکڑی کے کام کے ماہر، ادیب، فوجی، وغیرہ تاکہ حکومت ہر طرح کی قومی ضروریات سے عہدہ برآ ہو سکے اور یہ تو ممکن نہیں کہ حاکم خود ہی فلسفی بھی ہو یا عقل کل ہو، ایک شخص تنہا کیا کرسکتا ہے؟ اسے لازماً مددگار و معاونین درکار ہیں۔ "اللہ تعالیٰ ہر صدی کے کنارے پر ایک مجدد بھیجتے ہیں جو قوم کے امور میں تجدید کرتا ہے۔ کون؟ اکیلا شخص؟ نہیں بلکہ پوری ایک جماعت مراد ہے۔ جیسے عدلیہ کا پورا گروہ، حکام، وزراء، انجینئرز، اطباء، وکلاء اور متمدن زندگی کے ہر شعبے کے افراد تاکہ یہ نظام معیشت چل سکے۔ کیونکہ نظام زندگی ان تمام شعبوں کو محیط ہے۔ فرض کیجیئے کبھی ڈاکٹر نہ رہیں یا انجینئرز نہ ہوں یا قلمکار نہ ہو تو ایسا معاشرہ کس طرح چلے گا جس میں قومی امور کے دفاع میں یا ملی امور سے متعلق لکھنے والے نہ ہوں اگرچہ ویسے بیسیوں عالم موجود ہوں۔ چنانچہ ہر طرح کے لوازمات کے ماہرین کی ضرورت ہے جو ایک حاکم کے زیرِ نگرانی کام کرتے ہیں اور جن پر حاکم کی توجہ کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ سب صلاحیتوں والے اس سے معاونت کرتے ہیں اگر دونوں طرف سے اخلاص ہو تو پھر خیر کثیر کی توقع اور امید ہے۔

☆ کیا علماء کرام کو پارلیمنٹ کی رکنیت حاصل کرنی چاہئے جیسا کہ بعض اسلامی ممالک میں ہے اور کیا اسطرح حکماء وعلماء کا تعلق اس سطح پر آ سکتا ہے جس پر مطلوب ہے؟

☆ اس کی مختلف صورتیں ہیں کبھی اس طرح کی اسمبلیوں یا پارلیمنٹ میں داخلہ حاکم کے انتخاب و پسند کے بغیر ہوتا ہے جو اس کے لئے زیادہ ناگوار بھی ہوسکتا ہے بنسبت اس کے کہ وہ اسمبلیوں میں نہ ہوتے۔ پارلیمنٹ میں علماء کا جانا دونوں طرف سے نیک نیتی اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خوش دلی سے ہونا ضروری ہے۔ اس شمولیت کا مقصد بھی یہ ہو کہ شامل ہونے والے زیادہ ذمہ دار قسم کے ہیں اور ذمہ داری سے امور سلطنت میں تعاون کریں گے اور اگر علماء کو شامل کرنے کا مقصد انہیں راضی رکھنے کی کوشش، یا سیاسی جوڑ توڑ کا نتیجہ یا سیاسی رشوت کے طور پر منصب کی پیش کش کے انداز میں ہو یا اس لئے انہیں لیا جائے کہ جب ان کے مقابل لادین عناصر کو بھی شامل کیا جا رہا ہے تو ایک آدھ ادھر سے بھی ہو جائے تو یہ شمولیت بے مقصد ہوگی ہاں قوم وملک کے مفاد کی خاطر ایسا ہو تو اور بات ہے۔

☆ موجودہ دور میں تصنیف وتالیف کی صورتحال سے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں؟

☆ اس وقت تصنیف وتالیف کی صورت حال بڑی عجیب ہے گزشتہ دس سالوں میں اسلامی کتب خانہ میں بے شمار کتابوں کا اضافہ ہوا ہے۔ اتنی کتابیں لکھی گئیں ہیں کہ بے حد وبے حساب، جس کی سمجھ میں جو آرہا ہے لکھے چلے جا رہا ہے جس کا جو جی چاہ رہا ہے لکھ رہا ہے اور چھاپ رہا ہے جبکہ پہلے یہ ہوتا تھا کہ کہیں سال بھر میں سو دوسو کتابیں، زیادہ سے زیادہ تین سو کتابیں چھپتی تھیں۔ مگر یہ ایسی ہوتی تھیں کہ مؤلف اپنی کتاب شائع کرنے سے قبل علماء عصر پر پیش کرتا تھا وہ مسودہ کو بغور پڑھتے اور جہاں ضروری ہوتا تصحیح فرماتے۔ بلکہ بعض علماء تو تصحیح کتب میں شہرت رکھتے تھے جیسے مصر میں الشیخ نصر الھودینی، الشیخ قطہ العدوی، الشیخ الدسوقی، الشیخ الضمراوی یہ ممتاز نقاد اور ماہرین علم تھے ان کے ہاتھوں سے کتاب نکلتی تھی تو بڑی نپی تلی ہوئی عبارت کے ساتھ نکلتی تھی اور اہلِ علم کے ہاں یہ بات مشہور تھی کہ اگر تمہیں کتاب کی عبارت سمجھ میں نہ آئے تو اپنی ملامت کرو اپنے آپ کو کم علم گردانو، کتاب کو برا مت کہو اور بار بار پڑھو اتنی بار کہ عبارت سمجھ میں آنے لگے کیونکہ کتاب میں جو کچھ لکھا ہوتا وہ مسلمہ طور پر صحیح تھا اور ان علماء کا قاعدہ یہ تھا کہ جہاں کوئی بات کتاب میں غلط ہوتی اس پر علامت بنا دیتے اور اسکی تصحیح کر دیتے اور کبھی تو ان کی تصحیح بیسیوں صفحات تک جا پہنچتی تھی۔ پھر کتاب کے آخر میں فہرست شخصیات واعلام کے ساتھ ایک فہرست تصویب اخطاء کی بھی دی جاتی تھی۔

اب علمی معیار واقعی طور پر بہت گر چکا ہے کیونکہ اب لوگ کتابوں کے نقل کرتے ہیں اور نقل کرنے میں غلطی کرتے ہیں جب عبارت سمجھ میں ہی نہیں آئے گی تو اس کا مفہوم اپنے الفاظ میں کیسے صحیح ادا کریں گے؟ علماء واساتذہ کے پاس جاتے نہیں۔ خود کتاب خوانی وورق گردانی کرتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں جو سمجھ میں آ گیا لکھ دیا۔ اب جب علم سارے کا سارا کاغذی و کتابی ہے تو اس میں وہ معیار کہاں رہے گا؟ پہلے علم کتابوں نہیں سینوں سے لیا جاتا تھا۔ تلمیذ رشا گرد، استاذ کے سامنے پڑھتا تو غلطیوں کی اصلاح ہو جاتی تھی اب از خود پڑھنے اور خود فہمی کا شوق ایسا ہے کہ استاذ و عالم سے رابطہ منقطع ہے چنانچہ اصلاح نہیں ہوتی۔ جب اصلاح کرنے کرانے والا کوئی نہ ہوگا تو پھر انتقال علم کا عمل لازماً غلط طور پر ہوگا کہ غلط سمجھو گے تو غلط ہی لکھو پڑھو اور پڑھاؤ گے۔

قدیم زمانے میں ایک طالب کسی عالم کے پاس پانچ دس سال لگاتا تھا۔ جس سے وہ علم سیکھتا اور اس دوران متعدد بار اس کی اصلاح ہوتی اور اصلاح کا عمل طویل عرصہ جاری رہتا۔ بار بار الفاظ کا استاذ سے سننا اور اس کے سامنے ادا کرنا ایک اصلاح مسلسل کی صورت تھی۔ استاذ بار بار متعدد کلمات و عبارات کی تصحیح کراتا اور طالب علم کی مکمل تربیت کرتا تھا۔ اس رفاقت علمی و صحبت روحانی کی بدولت طالب علم میں جو ملکہ پیدا ہوتا تھا اس سے اس کے اندر ایک خاص حس جنم لیتی تھی جو آئندہ اسے معمولی سے معمولی غلطی پر بھی متنبہ کر دیتی تھی اور کوئی لفظ کہیں علمی یا لغوی غلطی کے ساتھ اس کے سامنے بولا جاتا تو وہ فوراً اس کا ادراک کر لیتا تھا۔ مگر آج یہ سب کیسے ہو؟ کیونکہ اب از خود عالم بننے اور بغیر استاذ کے تفہیم حاصل کرنے کا جو رواج ہے اس میں غلطی کی اصلاح کہاں سے ہوگی؟ یہ سب "کاغذی علم" کا شاخسانہ ہے۔ پہلے لوگ کہا کرتے تھے کہ نہ تو علم کسی صحافی سے لو اور نہ قرآن مصحفی سے سیکھو۔ بلکہ علم علماء سے اور قرآن قاری سے پڑھو کیونکہ مصحف سے پڑھا ہوا قرآن تو ایسا ہوگا کہ پڑھنے والا "المص" کو ایک ہی لفظ سمجھے گا جبکہ یہ ایک لفظ نہیں بلکہ الگ الگ حروف کا ایک مجموعہ ہے یہ الف، لام، میم، صاد ہے نہ کہ "المص"

☆ آپ نے فرمایا کہ علم صحافی سے نہ لو، تو ہم صحافی لوگ ہیں ذرا مسئلہ حساس ہو جائے گا اگر اس کی وضاحت نہ ہو۔؟

☆ صحافی سے مراد وہ ہے جو علم صحیفوں (کتابوں) سے حاصل کرتا ہے یعنی علماء و اساتذہ سے پڑھنے کی بجائے براہ راست کتابوں سے تفہیم دین و علم کا خواہاں ہے۔ میرا مقصد وہ صحافی نہیں جو اخبارات و جرائد سے وابستہ ہے۔ مراد وہ ہے جو اپنا استاذ کسی عالم کو بنانے کی بجائے کتابوں کو بناتا ہو۔ یا یوں کہہ لیجیے کہ جس کا استاذ عالم کی بجائے کتابیں ہوں وہ صحافی ہے اور کاغذی علم کا مالک ہے۔

☆ کیا آپ کے خیال میں، مختلف یونیورسٹیوں میں اعلیٰ تعلیم کی سطح پر جو جدید وسائل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو بروئے کار لاکر سلسلہ تعلیم و تحقیق جاری ہے اس سے علماء پیدا ہوں گے؟

☆ ممکن ہے کہ کسی حد تک یہ کوششیں کامیاب ہوں۔ مگر جب تک طالب علم میں محنت، لگن، اخلاص، توجہ ذہانت اور ملکہ نہ ہوگا اور استاذ طالب علم میں اچھے اخلاق اور نفیس عادات کی تربیت داخل نہیں کرے گا یہ کامیابی نہ ہوگی اگر چہ ایسا کرنا ممکن ہے مگر عملاً بہت قلیل تعداد ایسے لوگوں کی ہے۔

☆ آپ کے طویل تدریسی تجربہ کی روشنی میں ایک مثالی طالب علم کی کیا صورت بنتی ہے جسے علماء کرام مل کر تیار کرسکیں؟

☆ پہلے تو تمام علماء کرام اس بات پر اتفاق کریں کہ انہیں ایسے ہی طلبہ تیار کرنے ہیں کہ جو تعلیم کے ساتھ ساتھ تقویٰ بھی اختیار کرنے کو تیار ہوں علم کے ساتھ ساتھ عمل کے بھی خوگر ہوں۔ نیک نفس ہوں تو ضع اور اخلاص کے مالک ہوں اور جہالت سے دور ہوں یہ سب باتیں نیت سے تعلق رکھتی ہیں اور ان پر اجر ملتا ہے یہ بھی ضروری ہے کہ طالب علم کی نیت حصول علم سے تلاش روزگار نہ ہو نہ ملازمت اس کا ہدف ہو اور نہ ہی اس کا مقصد علم کے ذریعہ لوگوں پر اپنی برتری قائم کرنا ہو اور نہ ہی ڈگریوں کی تعداد بڑھانا اس کا مقصود ہو۔ اب اگر اس کا ارادہ نیک ہو نیت اچھی ہو اور مقاصد صحیح ہوں تو اسے ایسے علماء اور مشائخ سے رجوع کرنا ہوگا جو اساتذہ ہوں اور علم میں کامل دسترس اور اچھی شہرت کے مالک ہوں۔

علماء بھی کئی طرح کے ہیں ایک وہ عالم ہے کہ آپ اس سے کوئی سوال پوچھیں تو وہ مشین کی طرح اس کا روکھا پھیکا سا جواب دے دے گا اور ایک وہ عالم ہے کہ آپ اس سے سوال پوچھیں تو وہ پہلے تو آپ سے محبت وانس سے پیش آئے گا۔ چند باتیں ایسی کہے گا کہ اس کی گفتگو سے آپ کے دل میں حصول علم کی محبت جاگ اٹھے گی اور شوق خدمت علم موجزن ہونے لگے گا۔ اس طرح کا عالم ظاہر ہے ایک طالب علم کے لئے زیادہ نفع بخش ہے بنسبت اس پہلے والے کے۔ چنانچہ طالب علم کو ایسے استاذ کی تلاش کرنا ہوگی جو علم میں شوق واشتیاق رکھنے والے ہوں۔ جن میں علم کے لئے محبت ہو، جن میں علم کے معاملہ مین سستی وتساہل نہ ہو، اور نہ عمل میں تساہل ہو اور یہ سب باتیں سنجیدگی ومتانت سے آتی ہیں نہ کہ غیر سنجیدہ مزاجی سے۔

طالب علم کو چاہئے کہ وہ ایسے علماء سے فیض حاصل کرے جو ایک مثال نمونہ اور قدوہ ہوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیونکہ دین کی محبت و دینی غیرت کے لئے اس کی شدید ضرورت ہے، پھر جب اسے ایسے اساتذہ ملیں گے کہ کوئی حدیث میں ممتاز ہے تو کوئی فقہ میں منفرد، کوئی اصول تفسیر میں ممتاز ہے تو کوئی اصول حدیث میں اور وہ ان سب کے علوم سے مستفید ہوگا، چنانچہ اس میں ان سب کا مزاج سرایت کرے گا اور اس سے اس کا جو مزاج بنے گا وہ نہایت عمدہ اور نفیس ہوگا کیونکہ اس نے کئی گلوں کا رس پیا ہوگا۔ اسی لئے بسا اوقات شاگرد اپنے اساتذہ سے بھی بڑھ کر نفیس اور لائق ثابت ہوتا ہے کہ اس کا استاذ تو ایک یا دو علوم کا ماہر ہوتا ہے اور یہ کئی علوم کا اور اس طرح یہ اپنے علم سے لوگوں کو زیادہ مستفید کر سکتا ہے۔ تو ایسا طالب علم جو ابتداء سے نیک نیت تھا۔ پھر اس کی تربیت بھی نیک نیتی سے نیک نیتوں کے ہاتھوں ہوئی اور اس نے متعدد علوم وفنون کے علماء سے اکتساب فیض کیا۔ اب وہ کسی بھی فن میں عالم ہو شرعی یا اجتماعی یا دیگر عوم۔ بہر کیف وہ ایک صالح عالم و ماہر ہوگا۔

بس جس نے اساتذہ سے امانت، تقویٰ، صبر، دیانت، بیداری، نکتہ سنجی و نکتہ رسی، متانت اور علم میں عدم تساہل سیکھا ہے وہ اب مغربی عالم سے کیوں کر کم تر ہوگا۔ مغربی ماہرین کے کامیاب ہونے کی ایک بڑی وجہ یہی ہے کہ وہ ہر چیز کو بڑی سنجیدگی سے لیتے اور گہرائی تک جاتے ہیں اور اس پر وہ محنت و مشقت سے عمارت کھڑی کرتے ہیں چنانچہ ان کا عالم یا ماہر محیر العقول کارنامے انجام دیتا ہے اور ہم جن کی تربیت ہی سستی وتساہل کے ماحول میں ہوئی ہے بنے ہوئے کام بھی بگاڑ بیٹھتے ہیں۔

☆ آپ کی گفتگو سے مترشح ہوتا ہے کہ آپ یورپین تہذیب سے استفادہ کے قائل ہیں؟

☆ ہاں! ہمیں استفادہ کرنا چاہئے مگر ہم نے تو انہیں آگے بڑھا دیا خود پیچھے رہ گئے، ہم نے جو کچھ انہیں دیا تھا اس میں سے انہوں نے کھایا پیا اور پھر ہمیں ہی یہ کہہ کر لوٹا دیا کہ یہ تمہارا کھانا نہیں ہمارا ہے۔

☆ علماء کی تیاری پر کچھ مزید روشنی ڈالیں گے؟

☆ نیک نیتی، اساتذہ کا انتخاب، علم کے لئے فراغت، دلی مشغولیت کے ساتھ حصول علم، علمی زندگی میں پیش آمدہ مصائب پر صبر، کیونکہ ابتداء میں مشکلات آتی ہیں اور جو شروع میں صبر کرتا ہے اور اپنے آپ کو علم کی خاطر جلاتا ہے اس کا مستقبل ضرور روشن ہوتا ہے۔ ضروری ہے کہ طالب علم کو علم میں انہماک ہو پھر کچھ عرصہ بعد اس کی یہ کیفیت ہوگی کہ وہ علم سے لبریز ہوگا اور پھر اسے ہر طرح سے آسائش ملے گی اور ہر راحت میسر آئے گی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مال میں بھی فراخی ہوگا اور ہمارے پروردگار کا اصول ہے کہ وہ بندے سے عمل نقد چاہتا ہے اور اجر بڑھا چڑھا کر فوری یا بدیر عنایت فرماتا ہے۔

اب اگر کوئی دین کی خدمت صدق و اخلاص سے کرے تو پروردگار اس کے عمل کو ضائع نہیں فرماتا بلکہ اسے اس کے تصورات سے بڑھ کر اجر و ثواب عطا فرماتا ہے۔ پھر اسے ایسے مرتبہ پر فائز فرماتا ہے کہ اس کی بات اللہ اور اس کے رسول کے بعد حجت کا درجہ رکھتی ہے اور اس پر لوگ بادشاہ سے زیادہ بھروسہ کرتے اور اس پر زیادہ اعتقاد رکھتے ہیں اور یہ بڑی بھاری قیمت ہے جو اسے ملتی ہے۔ لوگ اس کی باتوں پر عمل کرتے ہیں اور اس کا حکم مانتے ہیں ایک انسان اگر اس پر غور کرے تو یہ بہت بڑی بات ہے پھر اس کے بعد اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ مطالعہ جاری رکھے اور یہ نہ سمجھے کہ ایک دور تھا پڑھنے پڑھانے کا سو ختم ہوا۔ نہیں تعلیم و تعلم کا سلسلہ تو لحد سے مہد تک جاری رکھا گیا ہے جیسا کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا فالحِبرةُ الی المقبرة (۱)

۱) مقدمہ مسند امام احمد بن حنبل

© rasailojaraid.com